عفت سحر طاہر

خواب سلسلے کا

تیز برستی بارش اور سماعتوں میں کسی کے تیز چبھتے جملے' یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا جو اسے یہ یاد دلاتا تھا کہ اس نے کسی سے ان سب کی بربادی کا وعدہ کیا تھا۔

آفندی ہاؤس میں اصول پسند آغا جان اپنے دو بیٹوں مبین آفندی اور سہیل آفندی' ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں اپنا پوتا نہ ہونے کا بہت دکھ ہے پوتیاں ان کی اس بات سے بہت چڑتی ہیں۔

وقار آفندی کو ایک گانے والی زر نگار سے محبت ہو جاتی ہے۔ وقار آفندی زر نگار کو نکاح کی آفر دیتا ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔

طلال اور مہر ماہ یونی ورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ طلال کے گھر والے مہر ماہ کا رشتہ لے کر آتے ہیں جو قبول کر لیا جاتا ہے۔

مبین آفندی' آغا جان سے بات کرتے ہیں کہ فاران آفندی کو معاف کر دیا جائے اور اسے اس کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ آفندی ہاؤس بلا لیا جائے۔ فاران آفندی کو چھوٹے بھائی وقار آفندی کی حمایت اور آغا جان کی مخالفت کی وجہ سے گھر بدر کر دیا گیا تھا۔ پوتے کی خاطر آغا جان مان جاتے ہیں' تائی جان مبین آفندی کی بیوی اس بات پر بہت ناراض ہوتی ہیں۔ فاران آفندی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں' ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وقار آفندی آخر کار زر نگار کو تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اسے باعزت طریقے سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے اور اپنے خاندان میں متعارف کرائے گا۔

آفندی ہاؤس میں بے چینی سے فاران کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے لیکن وہ نہیں پہنچ پاتے ان کا فون بھی بند ہوتا ہے۔

تیسرے دن مبین آفندی کا فاران آفندی کے فون پر رابطہ ہوتا ہے تو وہ آغا جان کو بتاتے ہیں کہ فاران آفندی اب اس دنیا



میں نہیں رہا ہے۔
آغا جان یہ خبر سن کر ٹوٹ گئے۔ فاران آفندی کی وصیت کے مطابق ان کی تدفین ان کے آبائی قبرستان میں کی گئی۔ ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد پاکستان آگئے۔ مہماہ کی منگنی طلال سے طے ہو چکی ہے، جس پر تزئین حسد کرتی ہے۔ موحد اور ثمرہ آفندی ہاؤس آجاتے ہیں۔ موحد بہت ہینڈسم اور خوبرو ہے۔ آغا جان اس سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن موحد کو ان سب سے نفرت ہے۔ زر گل بائی کو قیمت دے کر وقار آفندی نے زرنگار سے شادی کرلی تھی، لیکن اس شادی کو آغا جان نے قبول نہیں کیا۔ ہاں نے کہا کہ وہ زرنگار کو طلاق دے دے۔ انہوں نے دوپٹا قدموں میں رکھ دیا۔ گھر کے دیگر افراد بھی مخالف تھے۔ صرف ثمرہ بھابھی جو فاران آفندی کی بیوی تھیں۔ وہ وقار کے ساتھ تھیں۔ وقار آفندی کا بیٹا نمیر آفندی سومیہ کا دوست ہے۔ سومیہ اسے پسند کرتی ہے۔ ثمرہ اچانک یہ کہہ کر دھماکا کردیتی ہیں کہ مہماہ اور موحد کا رشتہ آغا جان نے بچپن میں طے کردیا تھا۔

چوتھی قسط

موحد کی بات سن کر مہماہ کا دماغ گھوم گیا۔
بدتمیز اور اکھڑ تو وہ پہلے بھی لگا تھا۔ مگر اب تو اس نے حد ہی کردی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ گاڑی واقعی کسی دور میں فاران صاحب کے زیر استعمال رہی تھی۔ مگر اسے اس قدر بہترین کنڈیشن میں رکھا گیا تھا کہ چودہ سال پرانی لگتی ہی نہ تھی۔ اب جب سے لڑکیوں نے کالج و یونیورسٹی جانا شروع کیا تب سے یہ گاڑی گویا اسی کام کے لیے مختص ہو گئی تھی۔
مگر اب یہ نیا دعوے دار.....؟
اس کے چہرے سے تپش کی لہریں لپٹیں۔ سن گلاسز آنکھوں پہ لگائے اسٹیئرنگ کو انگلیوں سے بجاتا وہ جیسے اپنی بات کی سنگینی سے واقف ہی نہ تھا۔
"تم..... تم یہاں قبضہ کرنے آئے ہو یا کوئی پرانا بدلہ لینے.....؟"
غصے کی شدید لہر نے مہماہ کو ساری اخلاقیات بھولنے پر مجبور کردیا تھا۔ پھر فوراً" ہی اپنی چیزیں سمیٹتی گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتری اور زوردار طریقے سے دروازہ بند کیا۔
"بی ہیو یور سیلف....." وہ ناگواری سے اونچی آواز میں بولا۔ "پرانے بدلے ہی رہنے دو۔ نئے کھاتے مت کھولو۔ ورنہ پچھتاؤ گی۔"
"ہنہ....." وہ تنفر سے اسے دیکھتی پاؤں پٹختی اندر کی طرف بڑھی۔
"کیا ہوا چھٹی ہے آج.....؟" تزئین نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے رک کر حیرت سے استفسار کیا۔
فرزین اور ملاحہ باتیں کرتی نکل گئی تھیں۔ مہماہ لمحہ بھر کو رکی۔
"وہاں گاڑی میں گاڑی کا اصل حق دار آکر بیٹھا ہے۔" اس کے انداز میں برہمی تھی۔ تزئین محظوظ ہو کر مسکرائی۔
"اوہو..... موحد آفندی.....؟" اس نے فوراً" ہی بوجھ لیا تھا۔
"ہنہ..... بے چارے نے اپنی زندگی میں اتنی لگژریز (آسائشیں) دیکھی جو نہیں۔ آتے ہی قبضے کی فکریں لگ گئیں۔"
اونچی آواز میں پلٹ کر کہا، جس کو سنانا مقصود تھا۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا مگر سن گلاسز نے آنکھوں کے

تاثرات مخفی رکھے۔

"کم آن مہو..." تزئین نے آواز ہلکی رکھی تھی۔

"آجاؤ مزہ رہے گا۔ ہم بھی تو دیکھیں، موحد فاران آفندی چیز کیا ہے۔" اس کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔ مہماہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم جاؤ۔ مگر مجھے ایسے کام کرنے کا کوئی شوق نہیں جس میں عزت نفس مجروح ہوتی ہو۔"

وہ تیکھے انداز میں کہتی اندر چلی گئی۔ یہ تو طے تھا کہ آج اس کی یونیورسٹی سے چھٹی تھی۔

"ہنہ... پتا نہیں اکڑتی کس بات پہ ہے۔" تزئین بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹکتی گاڑی کی طرف بڑھی۔ جہاں پچھلی سیٹ پر بیٹھی ملاحہ اور فرزین بھی حیران سی تھیں۔ ان کے برعکس تزئین نے بڑے اعتماد کے ساتھ جا کے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گئی۔

"ویلکم کزن...!" تزئین کے انداز میں بہت خوش گواری تھی۔ ملاحہ اور فرزین ابھی مہماہ کے جملے سے مستفید ہو چکی تھیں، جو وہ موحد آفندی کی شان میں بول کر گئی تھی۔ ان کی سانسیں تھمیں۔

مگر اگلا لمحہ حیران کن تھا۔ موحد آفندی کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تھینکس..."

اس نے یونہی مسکراتے ہوئے تزئین کی طرف دیکھا اور جملے میں اضافہ کیا۔

"تھینک گاڈ... یہاں سب بدتمیز نہیں ہیں اور سڑیل بھی۔" تزئین نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر گویا اس کے فقرے کی داد دی۔

"جی نہیں۔ میری آپی نہ تو بدتمیز ہیں اور نہ ہی سڑیل۔" ملاحہ کو برا لگا تھا۔

"اوہ۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ہلکے سے ہنسا۔

"تمہاری آپی کا نام کس نے لیا...؟ میں نے تو بدتمیز اور سڑیل کہا ہے"۔

فرزین نے ملاحہ کی پسلی میں کہنی چبھوئی تو وہ بڑبڑاتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

تزئین منٹوں میں اس سے فری ہوئی تھی۔

"راستہ بتاتی جانا..." وہ کہہ رہا تھا۔

"اسی اسپیڈ میں چلے تو پھر دوسرے پیریڈ کی بیل بھی بج چکی ہوگی۔" فرزین بڑبڑائی۔

"رائٹ ہینڈ اسٹیئرنگ ہے، بس دعا کرو کہیں گاڑی نہ ٹھوک دوں۔" وہ اونچی آواز میں بولا تب ان تینوں کو حالات کی سنگینی کا احساس ہوا۔ اتنے سالوں تک بائیں طرف ڈرائیونگ کرنے والا آج سیدھے ہاتھ پہ جانے کیا کمال دکھانے والا تھا۔ تزئین نے دہل کر اسے دیکھا۔ فرزین اور ملاحہ نے تو دل ہی دل میں باقاعدہ قرآنی آیات کا ورد کرنا شروع کر دیا تھا۔

فرزین اور ملاحہ کو کالج اتارنے کے بعد اس کا رخ اب تزئین کی یونی کی طرف تھا۔

"تمہیں برا لگا ہو گا مہماہ کا انداز...؟" تزئین نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔ اسے کون سا اچھا لگتا ہے میرا انداز۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے دوسروں کی نظر میں آنے کا۔ یوں تو... بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا۔ اسے عادت ہے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی۔"

وہ بظاہر مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی۔ موحد نے اس کی یونی کے گیٹ کے سامنے گاڑی

روکی اور اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔
"مگر اسے شاید معلوم نہیں کہ "دشمن" کے سامنے خود کو "نمایاں" کرنا کس قدر نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"
وہ کہہ کر گاڑی آگے بڑھا لے گیا مگر تزئین کئی ثانیوں تک اس کی بات کی "سنگینی" کو سمجھنے کی کوشش میں گاڑی کے پیچھے اڑتی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔



زر گل بائی کی اس قدر اخلاق باختہ گفتگو نے زرنگار کے تو حواس اڑائے ہی تھے' وقار آفندی کا دماغ بھی گھما دیا۔
"کیا بکواس ہے یہ....؟"
وہ تمام تر اخلاقیات بھول کر غرایا۔ پٹھان خون تپا تو چہرے پر سرخی چھلکنے لگی' حواس کو قابو میں کرتی زرنگار پھرتی سے ساس اور داماد کے بیچ آکھڑی ہوئی۔
"آپ اندر کمرے میں چلیں وقار! میں بات کرتی ہوں اماں سے۔" ملتجیانہ انداز' آنکھوں سے چھلکتی ندامت دبے جا رہی۔
وقار نے لب بھینچ کر بہت کچھ اندر ہی روک لیا۔
"ارے تو کیا جھوٹ کہا میں نے؟" طوائف کے کوٹھے پر تھی تب دو کے بجائے چار وقت کھانے کو ملتا تھا۔ یہ اچھی عزت اور شرافت ہے۔ جو پہلے تو کرائے کے مکان میں لائی اب کھانے کے بھی لالے پڑنے والے ہیں۔"
زر گل بائی کو مردوں کے تیوروں سے ڈر نہیں لگتا تھا۔
ایک طوائف کو زندگی بھر ایک مرد کے تیوروں ہی سے تو واسطہ پڑتا ہے۔ وہ وقار کے انداز سے ڈری نہیں۔ تیز لہجے میں بولی تو زرنگار نے پلٹ کر دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑے۔
"اللہ کا واسطہ ہے اماں۔ گھر بسا نہیں سکتیں میرا تو اجاڑو بھی نا۔" اس کے لب و لہجے میں محسوس کن سختی تھی۔
وقار غصے سے بھرا بیڈ روم میں چلا آیا۔ فل اسپیڈ پر پنکھا چلایا اور نیم اندھیرے کمرے میں ہی جوتے ادھر ادھر پھینک کر بستر پر دراز ہو گیا۔ زر گل بائی نے صحیح معنوں میں اس کی رگوں میں شرارے دوڑا دیے تھے۔ مگر آوازوں کا راستہ کون روک سکا ہے بھلا؟
"یہ شریف مرد ایسے ہی ہوتے ہیں زرنگار! چار دن کی چاندنی والا حساب ہوتا ہے ان کا۔ ابھی تو عشق کے خمار میں ہے۔ ذرا سا نشہ ہلکا ہونے دے پھر دیکھنا واپس نہ لوٹا اپنے محل میں تو کہنا۔ خرید کے لانے والا بھلا کیا عزت کرے گا تیری۔"
زر گل بائی کے لب و لہجے میں وقار آفندی کے لیے نفرت حقارت سبھی کچھ تھا۔ انداز وقار آفندی کو سنانے والا...

"بس کرو اماں....!" زرنگار کے ضبط کی حد یہیں تک تھی۔ پھٹی پھٹی آواز میں چیخ کر بولی۔
"اور تم... اپنی شرافت کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟ وہ تم سے تو اچھا ہے ماں' جو مجھے برے ہاتھوں میں جانے سے پہلے خرید لایا۔ مگر "بیچنے والی" کے بارے میں تم کیا کہو گی اماں؟ مائیں بھی کبھی اپنی اولاد کو بیچا کرتی ہیں اماں؟" اس کا سوال بہت دکھ بھرا اور کرب ناک تھا۔

"طوائفوں کی اولادیں ہمیشہ سے بکتی آئی ہیں۔" زرگل بائی نے ڈھٹائی سے کہا تو زرنگار کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

"طوائف تو ایک نام ہے اماں، محض ایک پیشہ..... "ماں تو ہر صورت ماں ہوتی ہے۔ماؤں کی دعائیں تو اولاد کی قسمت بدل دیا کرتی ہیں۔ پھر تم نے کیوں میری قسمت میں "بکنا" ہی مانگا؟ نکاح کے چار بول پڑھا کے خالی ہاتھ دعاؤں کے سہارے ہی رخصت کر دیتیں۔ تو کسی کی مجال نہ تھی جو مجھے آج خریدنے یا بیچنے کا طعنہ دیتا۔"

وہ رونے لگی تھی۔ زرگل بائی خاموشی سے اسے روتا دیکھتی رہی۔ پھر اکتا کر بولی۔

"ٹھیک ہے بھئی۔ جیسے تو راضی۔ میرا کیا ہے نوراں ہے، ریشم اور مسکان ہیں۔ تھیلے بھر بھر کے نوٹ لاتی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کسی شے کی کمی نہیں۔ بس تیری طرف سے گرم ہوائیں جاتی ہیں مجھے۔(گویا بڑی محبت ہو زرنگار سے۔)"

"عورت طوائف کے کوٹھے پہ پیدا ہو کر طوائف نہیں بنتی۔ آج یہ بات تو زرنگار نے ثابت کر دی ہے۔"

وقار آفندی اندر سے سرد لہجے میں بولتا باہر نکلا تھا۔ پھر اس نے انگشت شہادت سے زرگل بائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حقارت اور تاسف سے کہا۔

"طوائف ہونا ایک سوچ اور احساس کا نام ہے۔ جو زری نے اپنے اندر پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔ اور جو تم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔"

"ہنہ.....!" زرگل بائی نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور چلنے کو تیار ہوئی۔ زپ کھول کر بیگ میں سے اچھی خاصی رقم نکال کر بنا گنے بیٹی کی طرف بڑھائی۔

"یہ لے پہلی بار تیرے گھر آئی ہوں۔"

"میرے کون سا باپ کی کمائی ہے جو خوش ہو کے لے لوں اماں۔ جاؤ اور آئندہ کبھی مت آنا۔" زرنگار نے اپنے شانے کے گرد وقار کے مضبوط بازو کا سہارا محسوس کرتے ہوئے قطعی لہجے میں کہا تو زرگل بائی نے خشونت بھری نگاہوں سے بیٹی کو گھورا۔

"اپنے شوہر کی زبان بولنے لگی ہے تو بھی۔"

"نکاح پڑھوایا ہے اس کے ساتھ اماں۔ پیسوں سے نہیں اپنے عمل سے خریدا ہے اس نے مجھے۔ ساری عمر غلامی کروں اس کی تو بھی کم ہو گی۔" زرنگار کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ٹھیک ہے بھئی ختم تیری میری، مرگئی تو نہ آیوان گلیوں میں۔ سمجھوں گی جنا ہی نہیں تھا میں نے تجھے۔"

وہ نوٹ بیگ میں ٹھونستی بڑبڑاتے ہوئے وقار اور زرنگار سے اعلان قطع تعلق کرتی چلی گئی۔ زرنگار نے آگے بڑھ کے جلدی سے دروازہ لاک کر دیا جیسے پھر سے زرگل بائی کے ..... آنے کا اندیشہ ہو۔

پھر پلٹ کر ڈرتے ڈرتے وقار کو دیکھا وہ صوفے میں دھنس گیا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ تھی۔ زرنگار کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی آکر صوفے کے بازو پر بیٹھی اور جھک کر وقار کے گلے میں دونوں بازو ڈال دیے۔ رخسار اس کے گال سے مس کیا۔

"سوری وقار! مجھے پتا ہوتا کہ اماں آپ سے اس برے طریقے سے بات کریں گی تو میں کبھی ان کے کہنے پر بھی انہیں اپنے گھر نہ لاتی۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی اور انداز میں پشیمانی تھی اور وہ جو سنجیدگی سے زرنگار کی کلاس لینے کا سوچ کر یہاں بیٹھا تھا اس کے معذرت کے اس قدر دلبرانہ انداز پر ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔

"ہوں....."

"ناراض تو نہیں ہیں مجھ سے؟" وہ اپنا شک دور کرنا چاہتی تھی۔
"اتنے پیارے انداز سے مناؤ گی تو کون کافر ناراض رہ سکتا ہے۔" اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اس کے قریب آنے کے انداز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تو زرنگار نے مسکراتے ہوئے سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔
"کل ایک جگہ جاب کے لیے جانا ہے' دعا کرنا کام بن جائے' تنخواہ بھی بہت اچھی دے رہے ہیں۔" وقار نے مسکراتے ہوئے خوش خبری سنائی تو زرنگار کھل اٹھی اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔
"ان شاء اللہ ضرور ہو جائے گی نوکری۔"



"ایک تو یہ آغا جان بھی نا... انہیں کوئی بتاتا کیوں نہیں' ہر انسان اصولوں کے لیے نہیں بنا بلکہ اصول انسانوں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔"
ثمرہ کو وقار اور اس کی خوب صورت بیوی کو گھر سے بے گھر کرنے کا سخت دکھ اور افسوس تھا۔ مگر نرے دکھ اور افسوس سے بات نہیں بنا کرتی اس لیے فاران خاموشی سے فیکٹری سے لائی فائل چیک کرتے رہے۔
"آپ ہی کچھ ہمت دکھا دیتے۔" ثمرہ کو ان کی خاموشی سے بھی چڑ ہوئی۔
"سمجھانے کی کوشش تو کی تھی آغا جان کو۔ مگر... تم جانتی تو ہو۔ اب تو تمہیں بھی ان کی نیچر کا پتا چل چکا ہے۔"
وہ قلم سے ہندسوں کو درست کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اس کی تشفی کے لیے بولے۔ تو وہ مزید کڑھی۔
"ہنہ... بڑا اچھا سمجھایا... اور مجھے تو ماں جی پر حیرت ہو رہی ہے۔ مائیں تو بچوں کی نظر کا اشارہ تک سمجھ لیتی ہیں۔ مگر انہوں نے تو آغا جان کے ساتھ مل کے اپنے بیٹے کا دل ہی دکھا دیا۔"
فاران آفندی کو محسوس ہوا ثمرہ واقعی ڈسٹربنس کا شکار تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ اس کی تسلی کے لیے کچھ کہتے' دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز پر چونک گئے۔
"آجائیں..." ثمرہ نے اونچی آواز میں کہتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر کھلتے دروازے سے ماں جی کو اندر آتے دیکھ کر ثمرہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ آگے بڑھ کر احتراماً" ان کا ہاتھ تھام کر اپنے بستر پر لا بٹھایا۔
وہ آزردہ دکھائی دیتی تھیں۔ فاران نے بھی فائل سمیٹ دی اور اٹھ کر ماں جی کی طرف آگئے۔
وہ پہلے بھی ان کے کمرے میں کبھی کبھار ہی آتی تھیں اور ان چند ماہ میں تو وہ بھی بند کر دیا جب سے فاران کی شادی ہو گئی تھی۔
"خیریت تو ہے ماں جی...؟" انہوں نے پر تشویش انداز میں استفسار کیا تو ماں جی کی آنکھیں بھر آئیں۔
"جس ماں کا لاڈلا' جگر کا ٹکڑا کاٹ کے بے دردی سے پھینک دیا گیا ہو' اس کی زندگی میں اب خیریت کہاں رہی۔"

وہ آہ بھر کے بولیں۔ پھر دوپٹے کے پلو سے بہتی آنکھیں پونچھنے لگیں۔ ثمرہ نے جتانے والے انداز میں شوہر کو دیکھا۔
"آپ آغا جان سے بات کریں نا۔ ہماری تو انہوں نے ایک نہیں سنی۔" فاران آفندی بے بسی سے بولے۔
"تو وقار کو سمجھا۔ اس دو کوڑی کی عورت کی خاطر ہم سب کو چھوڑ گیا ہے وہ۔" انہوں نے شکوہ کیا۔
"اگر وہ دو کوڑی کی عورت ہے تو پڑا رہنے دیتے اس گھر کے کسی کونے میں اس کی خاطر کیوں گھر سے نکال دیا آغا جان نے اپنے بیٹے کو۔" فاران کو ماں جی کے الفاظ پر سخت اعتراض ہوا تھا انہوں نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"انسان کو اپنے جسم سے بہت محبت ہوتی ہے مگر کسی عضو کو جب کینسر ہو جائے تو اسے کاٹ کر الگ کرنا ہی پڑتا ہے وہ بھی تو طوائف کو اٹھا کر گھر لے آیا تھا۔"

ماں جی کا اپنا فلسفہ تھا۔ آخر میں شکایتی انداز میں بولیں تو فاران کو تاسف ہوا۔

ثمرہ کا دل تو بہت چاہ رہا تھا تقریر جھاڑنے کو مگر یہاں چھوٹوں اور خصوصاً" بہوؤں کا بیچ میں ــ بولنا سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ (اور چند ماہ پرانی بہو تو واجب القتل قرار پاتی شاید)۔" ہو گی وہ طوائف ماں جی۔ مگر وقار سے شادی کرنے سے پہلے تک نا... اس گھر میں تو وقار آفندی کی بیوی کی حیثیت سے آئی تھی وہ۔ آغا ذوالفقار آفندی کی بہو بن کر۔"

فاران جذباتی ہونے لگے۔ اور ماں جی لاجواب۔ مگر آغا جان کے بنائے اصولوں میں زندگی گزار کر اب تو غلط فیصلہ بھی غلط نہیں لگتا تھا۔ بس جو آغا جان نے کہا وہ ہو جانا چاہیے آفندی ہاؤس میں۔ وگرنہ کوئی چھوٹی موٹی قیامت تو آہی جائے گی۔

"تو اس سے بات کر فاران۔ میں خود... بڑی اچھی اور اصیل ذات کی لڑکی سے کرواؤں گی اس کی شادی بہت خوب صورت لڑکی ڈھونڈوں گی اپنے لاڈلے کے لیے۔"

ماں جی نے فوراً" ہی جوڑ توڑ کر لیا۔ بچے کو مہنگے سے ــ مہنگا کھلونا لے کر دینے کا وعدہ۔ فاران اور ثمرہ نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

"ماں جی... اس لڑکی کے لیے وہ ہم سب کو چھوڑ گیا ہے۔"

"ہم سب کو۔" اور آپ کا خیال ہے کہ اس نے ہماری خاطر اپنی بیوی کو نہیں چھوڑا تو کسی خوب صورت لڑکی کی خاطر تو ضرور ہی چھوڑ دے گا... واہ۔"

فاران کے لب و لہجے میں ناراضی اتر آئی تھی۔ ماں جی بات کو اس کی گہرائی کے ساتھ سمجھ گئیں تو آہ بھر کے رہ گئیں۔



تھوڑی دیر تک تو وہ کمرے میں ٹہل ٹہل کر غصہ کم کرتی رہی پھر وہ تنتناتی ہوئی سیدھی آغا جان کے پاس آئی۔ وہ یقیناً" اخبار کے مطالعے کے لیے اسٹڈی میں جانے ہی والے تھے۔ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ کلائی پہ بندھی گھڑی پہ نظر ڈالی۔

"یونیورسٹی نہیں گئیں تم...؟"

"جانا تو تھا مگر آپ کے پوتے نے ہماری گاڑی پر قبضہ کر لیا ہے۔" مہاہ کو بڑی ہتک محسوس ہو رہی تھی سلگ کر گویا شکایت لگائی آغا جان نے اس باغی پوتی کو ہلکا سا گھور کے دیکھا اور جتاتے ہوئے کہا۔

"قبضہ کرنے کی کیا بات ہے۔ اس کے باپ کی گاڑی میں جاتی تھیں تم سب۔"

"وہ نئی گاڑی بھی لے سکتا تھا آغا جان۔ ضروری تھا کہ میری انسلٹ کرتا یوں جتا کر کہ جس نے نہیں جانا وہ نہ جائے۔" بس پاؤں پٹخنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ مہاہ کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔

"ایک تو تم لوگوں کی "انسلٹ" بھی فوراً" ہی ہو جاتی ہے۔ باقی سب یقیناً" اسی گاڑی میں گئی ہوں گی؟"

آغا جان نے تیقن سے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" (ان سے اس کی دشمنی تھوڑی ہے) مہاہ نے سر جھٹکا۔

"بس ایک تم ہی ڈھیٹ ہو۔ باقی کسی نے انسلٹ محسوس نہیں کی بس تمہاری انا کے جھنڈے سب سے بلند

ہیں۔ بڑا ہے تم سے۔ کچھ کہہ بھی دیا تو برداشت کرنا سیکھو۔"
آغا جان نے اسے بری طرح جھاڑ دیا تھا۔ مہماہ کی آنکھیں بھر آئیں غم و غصہ اس قدر شدید تھا کہ حد نہیں۔ یعنی اس گھر کا "اصل وارث" آچکا تھا۔
"تو وہ کیا تھیں۔۔۔ محض لڑکیاں۔۔۔؟ بلکہ ان چاہی اولاد۔۔۔ بیٹیاں۔۔۔؟"
اس کے لب کچھ کہنے کو پھڑپھڑائے مگر پورا یقین تھا کہ ساتھ ہی آنسو بہہ نکلیں گے تو لب کاٹ کے رہ گئی۔
"دیکھو مہو۔۔۔ اچھا ہوا ابھی یہ بات ہو گئی۔۔۔ دو بیٹے کھوئے ہیں میں نے۔ تب جا کے اس گھر کا وارث ملا ہے مجھے اور میں نہیں چاہتا کہ تم کسی خرابی کا باعث بنو۔"
ان کا لب و لہجہ دبنگ تھا۔ جتاتا ہوا۔ اس کی اوقات جتاتا ہوا۔
جب موحد نے شروع میں آغا جان کا دل دکھایا تب مہو نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ موحد کو آغا جان کے قریب لانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔ مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔
وہ تیزی سے ان کے کمرے سے باہر نکلی اور باہر نکلتے ہی آنسو نکل آئے۔ (اب کون سا کوئی دیکھ رہا ہے) اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لینا ہی مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی کسی کے کھنکھارنے کی آواز پر وہ بے ساختہ ہی بدک اٹھی۔ فوراً ہی ہاتھوں سے چہرہ پونچھنے کی سعی کی۔ مگر ہاتھ ہٹاتے ہی موحد کو سامنے دیکھ کر اس کے اندر تک کڑواہٹ اتر گئی۔ چہرے پر چھائے شکست و ریخت کے نشان اسی ایک دشمن سے تو مخفی رکھنے تھے اور وہی کمبخت سامنے آگیا۔
"آغا جان سے شکایت کرنے گئی ہو گی میری۔۔۔؟"
وہ پوچھ رہا تھا اور گویا بوجھ چکا تھا۔ انداز اس قدر لطف لینے والا تھا کہ مہماہ کو وہ دنیا کا عیار اور بد تمیز ترین انسان لگا۔
"شٹ اپ۔۔۔" مہماہ پھٹ پڑی "وارث ہو گے۔ تم گاڑی اور اس گھر کے۔ میرے نہیں ہو۔ مجھ سے میری اجازت کے بغیر کبھی بات بھی مت کرنا۔"
وہ زہر خند لہجے میں کہتی ہوئی اس کے قریب سے طوفان کی طرح گزر گئی تھی۔ موحد نے ہونٹ سکیڑ کر اسے جاتے دیکھا۔ در حقیقت مہماہ کے الفاظ اسے اندر تک سلگا گئے تھے۔
مگر دفعتاً اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہاتھ میں دبی گاڑی کی چابی کو دیکھا تو یہ مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔
اس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کی چین کو اچھال کر کیچ کیا تو وہ خود کو بڑا ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔
"ابھی تو یہ پہلی ضرب ہے مہماہ آفندی۔۔۔ آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔"



لڑکیوں کے امتحانات کے فوراً بعد مہماہ اور طلال کی منگنی کی تقریب رکھ دی گئی تھی۔ ان دنوں تو سبھی امتحانات میں سنجیدگی سے مصروف تھیں۔ ہاں۔۔۔ مہماہ کا دل بہت ہلکا پھلکا تھا۔ من چاہے ساتھی کا ہو جانے کا خیال ہی پھول کی طرح مشکبار کر رہا تھا اسے۔ سو آغا جان نے جو کچھ کہا وہ بھی بھول بھال گئی تھی۔ البتہ یونیورسٹی وہ مبین آفندی کے ساتھ جا رہی تھی۔ گھر میں سب کی نظروں میں موحد اور مہماہ کی چپقلش آچکی تھی مگر مہماہ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کے نزدیک موحد آفندی اس قابل ہی نہیں تھا کہ اسے کوئی اہمیت دی جاتی اور پھر وہ دن بھی آہی گیا۔ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جب مہماہ آفندی نے طلال کے نام کی انگوٹھی پہن لی۔ ثمو

سب سے کٹ کر ایک طرف ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ فنکشن اپنے عروج پر تھا۔ ہنسی مذاق قہقہے۔
ایسے میں دل ہواؤں میں اڑ رہا تھا تو مہپاہ آفندی اور طلال کا۔
کسی کا دل جل کر سلگ رہا تھا تو تزئین آفندی کا۔ اور کوئی اس شور ہنگامے اور رونقوں سے ٹینشن کا شکار ہو رہا تھا تو موحد آفندی تھا۔
وہ ان سب کے ہنستے چہروں سے ہنسی نوچ لینا چاہتا تھا۔ وہ ثمو کو تلاشتا ہوا بالآخر ان تک پہنچ ہی گیا۔
"اکیلی کیوں بیٹھی ہیں ماما؟" وہ تشویش زدہ سا ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔
"دیکھ رہی ہوں۔ ہمیں اکیلا کر دینے والے اپنی خوشیوں میں مگن ہیں۔" انہوں نے آہ بھری۔ تو موحد نے ان کی آزردگی کو پوری طرح محسوس کیا۔ تب ہی ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے تیقن سے بولا۔
"مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اب ہم اکیلے نہیں ہیں۔"
ثمو نے نم آلود ہنسی کے ساتھ موحد کو دیکھا اور غم سے چور لہجے میں بولیں۔
"ہاں اب ہم اکیلے نہیں ہیں۔"
موحد نے چند لمحے ان کی آنکھوں میں دیکھا پھر لب بھینچتے ہوئے اسٹیج پر مچے ہنگامے پر نظریں گاڑ دیں۔
"ہمیں کبھی پوری خوشیاں نہیں ملیں۔ ان پر خدا بہت مہربان ہے موحد۔" ثمو کے لب و لہجے میں کسک سی تھی۔ ایک خلا تھا جو پر ہونے میں نہ آتا تھا ایک کمی سی تھی.... جو کسی طور مکمل ہوتی ہی نہ تھی۔
مانو پزل کا ایک ٹکڑا بیچ میں سے غائب ہو گیا ہو اور سارے ٹکڑے جوڑ لینے پر بھی تصویر سمجھ میں نہ آتی ہو۔ محض اس ٹکڑے کی غیر موجودگی کی وجہ سے....
تو کیا ان کی پوری تصویر ہی اس ٹکڑے میں تھی؟ وہ گمشدہ ٹکڑا.... ان کے وجود کا حصہ....
"ان میں سے بھی کوئی اپنی مکمل خوشی نہیں پا سکے گا ماما۔ تب ان کو اندازہ ہو گا کہ اللہ کیسے نامہربان ہوتا ہے۔"
موحد کی سلگتی نگاہیں آج محفل کی جان بنے طلال اور مہپاہ کے مسکراتے چہروں پر تھیں اور ہاتھ ثمو کے ہاتھ پر۔



زرنگار نے دروازہ کھولا تو اس کے وہم و گمان میں بھی وہ ہستی نہ تھی جو اس کی چوکھٹ کے باہر کھڑی تھی۔
"آ.... آپ...." وہ بحر حیرت و بے یقینی میں غوطہ کھا گئی۔
"بہت سے کام انسان کو اپنی دلی رضا کے بنا بھی کرنا پڑتے ہیں۔ وہ کام جو ان کے پیاروں کی محبت ان سے کرواتی ہے۔"
ماں جی مدبرانہ مگر زخمی لہجے میں کہتیں، زرنگار کی تقلید میں فلیٹ میں داخل ہوئیں تو زرنگار نے ان کے پیچھے اضطراری نگاہ ڈالی۔
"اکیلی آئی ہوں۔ ڈرائیور کچھ دیر بعد لے جائے گا آکر۔ کوئی طوائف کے گھر آنے کو تیار ہی نہ تھا۔"
ماں جی نے بڑے رسان سے کہا اور پھر زرنگار کی اڑی رنگت دیکھی۔ مگر اس کا حوصلہ بھی کمال تھا۔ ہلکے سے مسکرا کر بولی۔
"طوائف تو اپنا گھر چھوڑ آئی ماں جی.... میں تو خود آپ کے بیٹے کے گھر میں رہ رہی ہوں۔ آپ بے فکر ہو کر آئیں۔"
"ہنہ...." وہ ہنکارا بھرتی صوفے پر بیٹھ گئیں۔ بہت تکلف سے۔ جیسے چھوٹتے ہی بھاگ نکلنے کا پروگرام ہو۔

"وقار کہاں ہے؟" وہ بڑے رعب و دبدبے سے بات کرتی تھیں۔ انداز ایسا ہی تھا گویا زرنگار سے مخاطب ہونا ان کی شان کے خلاف ہو مگر بات کرنا مجبوری ٹھہری۔
"انہیں کہیں نوکری مل گئی ہے۔ وہیں جاتے ہیں اب۔ شام کو واپسی ہوگی۔"
زرنگار نے ہاتھ مسلے۔ شرمندگی، ندامت حد سے سوا، ایک ماں کا لاڈلا بیٹا اس کے عشق میں رُل گیا تھا۔
ماں جی بھی سن کر تڑپیں۔
"تیرا بیڑا غرق ہو.... اس نے تو ساری عمر کما کے نہ کھایا۔ کہاں رول رہی ہے میرے ہیرے کو۔"
زرنگار کی پیشانی چمک اٹھی۔
"اتنا بڑا آفس بنا کے دیا ہوا ہے اس کے باپ نے اسے۔ وہاں بیٹھ کے گھر آجاتا تھا بس وہ' ہر ماہ نوٹوں سے جیب بھری ہوتی تھی میرے لاڈلے کی۔" ان کے تو کلیجے پر ہی ہاتھ پڑ گیا تھا۔
"اچھی نوکری ہے ماں جی! وہ خوش ہیں۔" زرنگار نے ہمت کی۔
"خاک اچھی ہوگی۔" انہوں نے حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالی "مہینے بعد پانچ چھ ہزار لاتا ہوگا۔ اتنا تو وہ یار دوستوں پہ لٹا دیا کرتا تھا۔" جتایا۔
"میں آپ کے لیے ٹھنڈا لاتی ہوں۔" زرنگار ان کی تلخی سے گھبرا گئی۔
"رہنے دو.... پی کر آئی ہوں میں۔" انہوں نے ایسے منع کیا جیسے وہ زبردستی ہی پلا دے گی۔
"پتا نہیں طوائف کے برتن میں کھانا پینا حلال بھی ہے یا نہیں۔" انہیں اپنے لاڈلے کی قسمت پر رونا آنے لگا۔
"منہ مارا بھی تو گند پر۔" گھبرائی ہوئی سی زرنگار ان کے سامنے والے.... صوفے پر ٹک گئی۔
"اگر میں ڈھیر سارا روپیہ دے کر تیری زندگی بنا دوں تو کیا تو میرے بیٹے کو چھوڑ دے گی؟"
ماں جی سودا کرنے آئی تھیں۔ زرنگار کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔
"ایک زندگی کو چھوڑ کر تو اسے پایا ہے ماں جی۔ اب پھر سے زندگی پانے کے لیے اسے چھوڑ دوں؟" زرنگار نے بڑے حوصلے سے پوچھا۔
"میرے ساتھ کتابی باتیں مت کر۔" انہیں غصہ آیا۔
"طوائف زادی ہے۔ کھلے ہاتھوں روپیہ خرچ کرتی ہوگی۔ وقار کو تو باپ نے عاق کر دیا۔ تجھے اللے تللے نہیں کروا سکتا اب۔ اس کی جان چھوڑ دے۔ بدلے میں جو مانگے گی دوں گی روپیہ' سونا' زمین...."
"نہ ماں جی...!" وہ تڑپی۔ "بڑی مشکل سے طوائف کے کوٹھے کا لیبل اتارنے کا موقع ملا ہے۔ روپے پیسے کے بدلے شوہر دے دوں گی تو پھر سے طوائف ہی کہلواؤں گی۔"
"وقار کی آنکھوں پہ ایسی جذباتی باتوں کی پٹی باندھی ہوگی تم نے۔ مگر یہ دیکھو۔" انہوں نے حقارت سے کہتے ہوئے اپنا بڑا سا پرس کھولا تو اس میں ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں پڑی تھیں۔
"ایسی ہی کئی گڈیاں اور دوں گی.... اور پھر دیتی رہوں گی بس ایک بار میرے وقار کو چھوڑ دے۔"
وہ اسے للچا رہی تھیں۔ زرنگار پھیکے انداز میں مسکرائی۔
"یوں کہیں نا کہ جینا چھوڑ دوں۔"
"بکواس بند کر یہ شکار پھانسنے والی باتیں میرے دل پہ اثر نہیں کریں گی۔" وہ آگ بگولہ ہونے لگیں مگر پھر کچھ خیال آیا تو دھیمی پڑ گئیں۔
"اس بے رحم کو وہ کہاں عادی ہے اس مزدوروں والی زندگی کا۔ اس سے محبت کے دعوے کرتی ہے تو اسے آرام و

سکون کی زندگی جینے کیوں نہیں دیتی۔ تو اسے چھوڑے گی تو پھر وہ میری طرف پلٹ آئے گا۔"
اب وہ اسے جذباتی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔
"ماں جی!" کھلے دروازے سے وقار اندر آیا تو لب و لہجے میں بے یقینی سی تھی۔
پتا نہیں ماں کی بات سن کر یہ بے یقینی لب و لہجے میں در آئی تھی یا ماں کو وہاں موجود پا کر۔
وہ بے قرار ہو کر اسے بانہوں میں بھرنے کو اٹھیں۔
"اسے کہہ، تجھے چھوڑ دے وقار... اسے روپوں میں تول دوں گی میں۔ بس یہ چھوڑ دے تجھے۔"
بچوں کی سی ضد... وقار نے تسلی آمیز ایک نگاہ زرنگار پر ڈالی جو زرد رنگت لیے کھڑی تھی۔
"یہ چھوڑ بھی دے ماں جی... مگر میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔" وقار مسکرایا تو اس مسکراہٹ میں طمانیت کے سارے رنگ تھے۔
"اور پتا ہے۔ ایک خوشخبری بھی ہے..." وہ شوخ ہوا ماں کو ساتھ لیے صوفے میں دھنستے ہوئے بولا۔ وہ چونکیں۔
وقار آفندی نے اپنے مخصوص لاڈلے انداز میں ان کے شانے پر سر رکھا اور ان کے کان سے منہ لگایا۔
"آپ دادی بننے والی ہیں۔" ایک کرنٹ سا ماں جی کے پورے وجود میں دوڑ اٹھا تھا۔ اف... انہیں ناپاکی کا شدید احساس ہوا۔ انہوں نے بے اختیار وقار کو زور سے پرے دھکیلا۔
"خبردار! خبردار جو اس پلید عورت کی اولاد کو ہمارا وارث کہا ہو تو۔" وہ غصے و نفرت سے چیخی تھیں۔ وقار نے حیرت و بے یقینی سے انہیں دیکھا۔
"وہ میری اولاد ہو گی ماں جی..."
"ہنہ... جیسی ماں ویسی اولاد۔" ان کی تو بس تھوکنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔
وقار آفندی بلند قامت اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں نے بھی تو ایک طوائف سے شادی کی ہے ماں جی میں کس پہ پڑا ہوں...؟" صدمے سے چور وقار آفندی کا سوال بہت کڑا تھا اور دکھ سے بھرا۔ ماں جی لاجواب ہو گئیں۔



یونیورسٹی لائف ختم ہو گئی تھی۔ طلال سے ملنا باتیں کرنا ایک خواب سا لگنے لگا۔ ملائکہ اس کی منگنی کے بعد واپس جا چکی تھی۔
"خوامخواہ ثمرہ چچی اور موحد سے مت الجھنا۔" وہ جانے سے پہلے مہپارہ کو نصیحت کر کے گئی تھی۔
"مجھے کیا ضرورت ہے..."
ان دنوں تو یوں بھی وہ نئی زندگی کے نئے سپنوں میں گم تھی۔ بات کو یونہی اڑا دیا۔
طلال کئی روز سے ملنے کا کہہ رہا تھا۔
"منگنی والے دن اچھا موقع تھا لانگ ڈرائیو کا تم مانی ہی نہیں۔" مہپارہ ہنسی۔
"واہ! منگنی والے دن لانگ ڈرائیو... بھلا کپل ہوتے تم ہم دونوں۔"
"اچھا! آج تو آ جاؤ۔ آئس کریم ہی کھا لیں۔"
"وہ تو ہم اپنے اپنے گھروں میں بھی کھا سکتے ہیں۔" مہپارہ نے ہنسی دبائی۔

"اوفوہ یار! تم آئس کریم کھالینا۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا بس۔" وہ بے تاب و بے قرار تھا۔
مہپاہ کا دل معصوم سے تفاخر سے بھرنے لگا۔
چاہے جانے کا احساس ایسا ہی ہوا کرتا ہے... ہواؤں میں اڑانے والا۔
"کل شاپنگ کے لیے جانا تو ہے میں نے..." وہ کہتے ہوئے رکی تو وہ تیزی سے بولا۔
"بس پھر ڈن ہو گیا... شاپنگ مال میں ہی مل لیں گے ہم۔ اور وہیں آئس کریم بھی کھالیں گے۔"
"آغا جان یہ سب پسند نہیں کرتے طلال۔" مہپاہ نے اسے احساس دلایا۔
"اسی لیے تو انہیں انوائیٹ نہیں کیا۔" وہ اس قدر اطمینان سے بولا تو مہپاہ کو ہنسی آ گئی۔ جسے روکتے ہوئے وہ بولی۔
"چلو ٹھیک ہے۔ مگر یہ پہلی اور آخری بار ہوگا طلال۔ میں خود بھی اس طرح پبلک پلیس پہ منگیتر سے ملنے کی قائل نہیں۔"
"اوکے... اوکے ابھی تو شکل اچھی بنا کے آنا۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔"
وہ جیسے ٹالنے کو بولا تھا۔ ہنستے ہوئے موبائل آف کرتی پلٹی تو اپنے پیچھے لان میں شہلتی تزئین کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ جانے وہ کب چہل قدمی کے لیے آئی تھی۔ مہپاہ کو دیکھ کر مسکرائی تو اسے بھی جواباً لب پھیلانے پڑے۔
"طلال کا فون تھا...؟"
اس نے تیقن سے پوچھا تو مہپاہ نے بے اختیار گہری سانس لی۔ وہ اس کی باتیں سن چکی تھی۔
"ہوں۔" اس نے محض سر ہی ہلایا۔ وہ منتظر رہی کہ شاید تزئین اس بارے میں اس سے مزید پوچھے مگر وہ شہلتی ہوئی لان کے دوسرے سرے تک چلی گئی تو سر جھٹک کر مہپاہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔



وہ ابھی ابھی اسی خواب سے اٹھا تھا۔
پسینے میں شرابور... تیز ہوتی دھڑکن لیے۔ اور وحشت تھی کہ جاگ جانے کے بعد بھی کم نہ ہوئی تھی۔
طوائف کا بیٹا... ناجائز اولاد کا ٹھپہ... اور وہ برستی بارش والی طویل سیاہ رات۔
جس نے نمیر وقار آفندی کی قسمت کا سارا کھیل ہی بدل دیا تھا اس نے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگالی اور غٹاغٹ... پانی پی گیا۔
وہ اٹھ کر چلتا ہوا ننگے پاؤں ہی کھڑکی تک آیا اور پردے ہٹا کر کھڑکی کھول دی۔ سورج نکل رہا تھا۔ مگر نسیم سحر میں ابھی نرمی اور کیف باقی تھا۔ اس نے دو تین گہری سانسیں لے کر تازہ ہوا کو پھیپھڑوں میں بھرتے ہوئے گویا اندر کی کثافت کم کرنے کی کوشش کی۔ مگر اندر جلتا بھانبڑ کسی طور سرد ہی نہ پڑتا تھا۔
ہاہ... جو آگ چودہ سالوں سے نہ بجھی وہ اب کیا بجھے گی۔ وہ خود پہ استہزاء سے مسکرایا۔
اس کے ہر ہر انداز سے اذیت جھلکتی تھی۔ وہ زندگی جینے کی کوشش کرتا تھا مگر یہ خواب اور خود سے کیے گئے عہد اسے دوبارہ سے اسی دور میں پٹخ دیتے تھے۔
وہ چونکا۔ پلٹ کر دیکھا۔ تکیے کے پاس رکھا اس کا موبائل تھرتھرا رہا تھا۔ استعجاب سے بھنویں اچکاتا وہ بستر کی طرف بڑھا۔ اسے بھلا اتنی صبح فون کرنے والا کون تھا۔
مگر پھر سومیہ کے نام پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ پہلے فون کاٹنے کا سوچا پھر ایسے ہی فون اٹھا لیا۔
"السلام علیکم نمیر وقار آفندی... کیسے ہو؟" دوسری طرف اس کا مخصوص ہشاش بشاش انداز تھا۔
"وعلیکم... اور تمہیں میں نے کب کہا کہ فجر کے ٹائم اٹھانا مجھے؟" تیوری چڑھا کر پوچھتے ہوئے وہ بستر پر ٹک

گیا۔
"ہاہ... " وہ طنزیہ ہنسی۔ "ذرا اپنی کھڑکی سے جھانکو مسٹرملسورج چاچو سر پہ کھڑے ہیں آکے۔"
"پھر بھی یہ فرض تمہیں تفویض نہیں کیا تھا میں نے۔" وہ اسی ــــ انداز میں بولا۔
"تم چپ رہو۔ تم سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا۔" وہ اسے باقاعدہ ڈپٹ کر بولی تو وہ اکتایا۔
"صبح صبح یہی بکواس کرنے کے لیے فون کیا ہے؟"
"نہیں... ایک اور خوشی کی خبر سنانے کے لیے۔"
وہ جیسے خود ہی محظوظ ہوئی۔ اس کی خوشی ایسی ہی تھی۔ بچوں جیسی بے ساختہ۔ مگر نمیر ذرا بھی متاثر نہیں ہوا۔
"سنائے بغیر تمہیں چین تو آئے گا نہیں اس لیے جلدی سے بتادو۔ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"
بڑے اکھڑ اور بد تہذیب لہجے میں بولا تو دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"چلو ٹھیک ہے۔ پھر سرپرائز ہی سہی۔" قدرے توقف کے بعد وہ پھیکے لہجے میں بولی تو نمیر آفندی کو جی بھر کے غصہ آیا۔ ایک تو پہلے ہی وہ اس خواب کے زیر اثر بھرا بیٹھا تھا۔ اوپر سے سومیہ کے یہ ڈرامے۔ وہ ہتے سے اکھڑ گیا۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا... صبح صبح یہ ڈرامے دکھانے کے لیے کال کی ہے تم نے؟ بے وقوف سمجھا ہوا ہے مجھے یا پھر بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی ہو؟"
"نمیر..." وہ دنگ رہ گئی۔
اس سے پہلے بھی وہ لڑتا الجھتا تھا... مگر اس قدر بد تمیزی اور بد مزاجی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔
"شٹ اپ سومیہ... ! اور ایک بات لکھ کے رکھ لو، جو تم چاہتی ہو وہ میں کبھی نہیں بن سکتا... کبھی بھی نہیں۔ انڈر اسٹینڈ؟" وہ بری طرح چلایا۔
دوسری طرف وہ آنکھوں میں آنسو لیے گنگ تھی۔ لائن کاٹ دی گئی... سومیہ کا گویا "دنیا" سے رابطہ منقطع ہوا تھا۔ اس کا معصوم سا دل بہت بری طرح ٹوٹا۔



مبین آفندی کو قدرت نے شادی کے تین سال بعد بھی اولاد کی خوشی سے محروم رکھا تھا۔ ایسے میں ثمرہ کے پاؤں بھاری ہونے کی خبر نے آفندی ہاؤس میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ ماں جی روتی جاتیں، جب ثمرہ پر سے صدقے کے روپے وار کے کام والیوں کو دیتیں۔
اپنا سر پھرا لاڈلا بیٹا یاد آتا... اس نے بھی تو انہیں خوش خبری دی تھی۔ سب ان آنسوؤں کو خوشی کے آنسو سمجھے۔ نادان دنیا والے۔
غم اور خوشی کے آنسو میں فرق کرنے کے لیے دل کی آنکھ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ رنگ اور ذائقے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں میں ایک سی شفافیت اور ایک سی نمکینی ہوتی ہے۔
صدیقہ بھابی کے تو مانو سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ چند ماہ پہلے آئی ثمرہ ان سے بازی لے گئی تھی۔ انہوں نے ڈاکٹروں کے علاوہ پیروں فقیروں کے آستانوں کے بھی چکر لگانے شروع کردیے۔
دوسروں کی خوشی سے حسد کرنے والے در حقیقت اللہ کی تقسیم کی نفی کررہے ہوتے ہیں ورنہ جو چیز اللہ نے

کسی کو دی ہو اس سے جلنا کیسا؟ جبکہ ہر کسی کو قسمت کے مطابق ملنے کا وعدہ ہے۔
صدیقہ بھابھی کو اندر ہی اندر ثمرہ سے حسد پیدا ہو گیا۔ ان کے خیال میں ثمرہ نے یہ خوشخبری سنا کر ان کی حیثیت گھٹا دی تھی۔
اور اللہ بہتر جاننے اور فیصلے کرنے والا ہے۔ تو ہے کسی کی مجال کہ اس کے کیے کے خلاف جائے؟ وہاں تو دم مارنے کی بھی جگہ نہیں۔
صدیقہ بھابی بھی جلتی، تڑپتی، سلگتی ثمرہ سے نفرت کرتیں مگر وہ اس کا نصیب بدل نہیں سکتی تھیں۔ صد شکر پروردگار کا کہ... اس نے "کچھ" کا اختیار انسان کو دے کر مکمل کا اختیار اپنے پاس ہی رکھا ورنہ انسان نہ تو کسی کو روزی دیتا اور نہ ہی اچھی قسمت۔
اور اللہ ہی بہترین جاننے اور سمجھنے والا ہے۔ بے شک۔



ملاحہ اور فرزین کے ساتھ وہ شاپنگ مال آئی تو چند ایک چیزیں ہی خریدی تھیں کہ طے شدہ پلان کے مطابق طلال صاحب تشریف لے آئے۔ مسکراتی نظروں سے وہ بے نیاز نظر آنے کی کوشش کرتی مہاہ کو دیکھتا، ملاحہ اور فرزین سے ہیلو ہائے کر رہا تھا۔
"واؤ! کیسا سرپرائز ہے..." وہ خوش ہو رہی تھیں۔
"ہو گئی شاپنگ تم لوگوں کی...؟" طلال کا روئے سخن ملاحہ اور فرزین کی طرف تھا۔
"ابھی تو صرف آپی نے اپنی چیزیں لی ہیں۔ میں اور ملاحہ تو رہتے ہیں باقی۔" فرزین نے منہ لٹکایا۔
"اف... اتنی گرمی میں اپنی آپی کو لے کے پھر رہی ہو جبکہ یہ اپنی شاپنگ بھی کر چکی ہے۔ اب تم لوگ اپنی شاپنگ مکمل کر کے آؤ میں اتنی دیر میں فرسٹ فلور پر موجود آئسکریم پارلر کا چکر لگواتا ہوں تمہاری آپی کو۔" مسکراتے ہوئے طلال نے کہا تو مہاہ کا چہرہ جگمگانے لگا۔
"اور ہم..." وہ دونوں احتجاجاً" چلائیں۔
"بھئی، ہم کون سا آئس کریم کھا کر وہاں سے بھاگ جائیں گے۔ تم دونوں اپنی شاپنگ مکمل کر کے ہمیں وہیں جوائن کر لو۔ ایک آئس کریم تم لوگوں کے ساتھ بھی ہو جائے گی۔" طلال نے فوراً" دوستانہ انداز میں حل پیش کیا تو پھر کہیں جا کے ان دونوں کو سکون آیا۔
ان دونوں کے آگے بڑھ جانے کے بعد طلال نے مسکراتے ہوئے خود سے کترائی کھڑی مہاہ کو دیکھا۔
"ہاں جی۔ چلیں پھر...؟"
وہ بے ساختہ ہلکے سے ہنس دی۔ "جو کر..." وہ دونوں چلتے ہوئے خودکار سیڑھیوں تک آئے تو ادھر ادھر کی باتوں میں مگن، خود سے کچھ فاصلے پر ان کے تعاقب میں آتے شخص پر ان دونوں میں سے کسی کا بھی دھیان نہ تھا۔ ان دونوں نے خودکار سیڑھیوں پر نیچے جانے کے لیے قدم رکھے... اور ان سے ٹھیک چار سیڑھیاں اوپر ان کے پیچھے آتے شخص نے بھی۔



وہ نیند کے جھونکوں کی زد میں تھا۔
"وقار..." زرنگار نے اسے ہولے سے پکارا۔

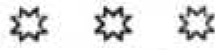
"ہوں....." وہ چونکا۔ نیند سے بوجھل ہوتی آنکھیں پل بھر کو گلابی جھلک دکھا کر پھر بند ہو گئیں۔
زرنگار کو اس پر ترس بھی آیا اور پیار بھی۔ اور سب سے زیادہ فخر محسوس ہوا۔
یہ وہ مرد تھا جو اس کے لیے اپنی سلطنت ٹھکرا آیا تھا۔
"وقار..... بات تو سنیں۔" اس نے احتجاج کیا۔ ابھی اس نے کمرے کی لائٹ بند بھی نہیں کی تھی اور وہ نیند میں جھومنے لگا تھا۔
"سن رہا ہوں....." وہی غنودگی میں ڈوبا لہجہ۔
"آنکھیں تو بند ہیں آپ کی....." زرنگار نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔
"تمہیں کس گدھے نے کہا کہ میں آنکھوں سے سنتا ہوں۔ کان کھلے ہیں میرے، تم بات کرو۔" بڑے ٹھنڈے طنز سے اب کی بار اس نے تفصیلی "تسلی" کرائی تو زرنگار اسے گھورنے لگی۔ مگر ایک نیند میں جھومتے جھامتے شخص پر یہ گھوریاں بھلا شنکوف کے برسٹ سا تو اثر نہیں کر سکتیں ناں۔
"میں سوچ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کیا دے گا؟" دھیمے لہجے میں پوچھا۔
"تم کو میں اور مجھے تم مل گئیں۔ اب اور کیا چاہیے ہمیں۔" وہ مطمئن تھا۔ سرشار۔
"اونہوں..... اولاد کی بات کر رہی ہوں۔" زرنگار نے ٹوکا۔
"وہ بھی اللہ بہتر ہی کرے گا۔" وہ قانع تھا۔ اللہ نے اسے زرنگار دے دی..... آگے بھی وہ بہترین ہی دے گا۔
"اور اگر....." وہ کہنے لگی مگر شدید جذبات نے کچھ ایسا غلبہ پایا کہ فی الفور گلا رندھ گیا۔ وقار کی آنکھیں پٹ سے کھلیں۔
"اگر..... کیا؟" حیرت سے اسے دیکھا۔
"اگر..... بیٹی..... دے دی تو.....؟" وہ انگی۔ وقار فی الفور اس کی بات کی گہرائی تک پہنچا۔ خشمگیں انداز میں اسے دیکھا اور دانت پیس کر بولا۔
"تو پھر..... میں تمہیں ایک زوردار تھپڑ دے ماروں گا۔"
وہ بے اختیار تھوڑا سا پیچھے ہٹی۔ خوف زدہ ہو گئی۔ وقار تھکاوٹ پرے دھکیلتا ہوا اٹھ بیٹھا۔
"بے وقوف! یہ کیسا سوال ہے؟ زرگل بائی کی بیٹی کو سینے سے لگا کے لے آیا تو کیا اپنی بیٹی کو نہیں اپناؤں گا؟" وہ فوراً ہی بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے جواب نے زرنگار کو تشکر کے جذبات میں بھگو ڈالا۔
"اف....." اس نے بے اختیار آگے بڑھ کے وقار کے شانے پر سر رکھا۔
"ڈرا دیا تھا آپ نے مجھے....."
"اپنی باتیں بھی تو دیکھو..... مجھے پتا چل گیا ہے جو تم پوچھنا چاہ رہی ہو زری..... میں اللہ سے بیٹا مانگتا ہوں، اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اس سے ہمیشہ بہترین چیز مانگنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ بیٹی دے گا تو شکر الحمدللہ۔ وہ وقار آفندی کی بیٹی ہو گی۔ بے نام و نشان نہیں۔"
وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ زرنگار کی آنکھیں نم ہو گئیں۔



وہ دونوں خوش گپیوں میں مصروف یونیورسٹی کی شرارتوں اور یادوں کو دہراتے آئس کریم کے پیالے سامنے رکھے اس کے پگھلنے کی فکر کیے بنا باتوں میں مصروف تھے۔
"خبردار جو آئندہ سے تم نے اس طرح ملنے کی فرمائش کی تو مجھے اتنا برا لگا۔" مہ ماہ اسے آئندہ کے لیے تنبیہہ

کر رہی تھی۔
"اونہوں بھجوٹی۔" طلال اس کی شکل دیکھ کر شرارت سے ہنسا۔ "اچھی بھلی خوش ہوا س ڈیٹ سے۔"
"افوہ۔ ملتی تو یونیورسٹی میں بھی تھی تم سے۔ مگر اب یوں پبلک پلیس پہ اسپیشلی آکے.... وہ بھی آغا جان کے خطرے کی تلوار کے سائے میں.... سمجھا کرو نا۔" وہ گھبرانے لگی۔
"حالانکہ اب تو پروموشن ہو گئی ہے۔ فرینڈ سے منگیتر کے عہدے پہ فائز ہو گیا ہوں میں۔ اب تو اس طرح کی حدود و قیود مت لگاؤ۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔
مہپاہ کی کھلکھلاتی ہنسی بے ساختہ تھی۔
اسی وقت کسی نے آکر ان کے ٹیبل کی سطح پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے اور جھک کر مہپاہ کو دیکھا۔
اس کی ہنسی کو ایک دم بریک لگا۔
"تم...." وہ لحظہ بھر کو گڑبڑا سی گئی۔ وہ موحد آفندی تھا۔
"ہاں.... میں۔" وہ چبا کر بولا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ طلال کی موجودگی کو قطعی نظرانداز کیے ہوئے مہپاہ سے پوچھ رہا تھا۔
"وہ.... میں...." مہپاہ کی پیشانی چمکی۔
"ایکسکیوزمی! یہ میرے ساتھ ہے۔" طلال نے گویا اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہی۔ موحد سیدھا ہوتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا تو پیشانی پر ناگواری بل پڑے ہوئے تھے۔
"کیوں ہمسٹر کس رشتے سے؟"
مہپاہ بھک سے اڑی طلال نے بھی بمشکل ضبط کیا۔
"منگیتر ہے یہ میری۔"
"منگیتر ہو شوہر نہیں جو یوں کھلے عام لے کے پھر رہے ہو۔" وہ بھگو کے مارتے ہوئے بولا تو مہپاہ تلملا اٹھی۔
"موحد.... بی ہیو...." دانت پیس کر بھرپور غصے سے کہا تو موحد نے اسے گھورا اور چبا چبا کر بولا۔
"یہ بات تم ذرا چل کے باہر آغا جان کو بتا دو۔ وہ باہر گاڑی میں بیٹھے ہیں۔"
مہپاہ کے قدموں تلے سے صحیح معنوں میں زمین سرکی تھی۔
"ڈونٹ وری مہو۔ میں بات کر لیتا ہوں ان سے۔" طلال نے خوامخواہ کی سنسنی پھیلانے والے موحد آفندی پر ایک کڑی نظر ڈالتے ہوئے مہپاہ کو تسلی دی تھی۔
"تم نے جتنی باتیں کرنی تھیں کر لیں مسٹر طلال آگے ہمارا گھریلو معاملہ ہے.... اٹھو تم۔" موحد نے ٹھنڈے لہجے میں کہتے ہوئے طلال پر گویا اس کی حیثیت واضح کی تھی۔
"ملاحہ اور فرزین ساتھ ہیں میرے۔" مہپاہ کو ذرا حوصلہ ہوا۔
"ہاں۔ وہ تو مجھے نظر آ ہی رہی ہیں۔" موحد کا طنز کمال کا تھا۔ مہپاہ کو اس کا جتانے والا انداز سلگا گیا۔ مگر غلطی تو بہرحال اس کی اپنی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا شولڈر بیگ اٹھایا اور طلال کو دیکھا۔
"میں چلتی ہوں۔ فون پہ بات کروں گی۔"
اندر سے خوف زدہ سہی مگر وہ کم از کم طلال کے سامنے یہ کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر موحد کو دیکھا۔
"فرزین اور ملاحہ اندر ہیں۔ مال میں۔"
"میں کال کر لیتا ہوں۔ موبائل تو ہو گا ان کے پاس۔" وہ اسے آگے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا تو وہ اثبات

میں سرہلاتی چل پڑی۔ موحد نے چلتے ہوئے اچٹتی مگر ایک گہری جتاتی نگاہ طلال پر ڈالی تو وہ اس عجیب سی نگاہ کے معنوں میں الجھا مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا اور ادھر باہر کی طرف قدم بڑھاتی مہپاہ کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔۔۔
آغا جان۔



دروازے پہ لگی گھنٹی کی آواز تو سب ہی نے سنی۔ مگر چونکہ چوکیدار ہر وقت گیٹ پہ موجود ہوتا تھا سو امید واثق تھی کہ مہمان ہوا تو سیدھا اندر ہی آئے گا۔
تائی جان اور سائرہ چچی ٹیبل پہ رکھی سبزی بنا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ کسی نہ کسی بات کا ذکر چل نکلتا۔ جبکہ ثمرہ نازک سے فریم کی نظر کی عینک لگائے اخبار پڑھ رہی تھیں۔ جب ٹی وی لاؤنج میں کوئی داخل ہوا۔
"السلام علیکم پھپھو۔۔۔" جوشیلا نسوانی لب ولہجہ۔
ثمرہ نے جھٹکے سے گردن موڑ کر دیکھا۔ ان کے ہونٹ بے اختیار کھلے۔ اخبار رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"گڑیا۔۔۔" وہ بھاگ کر نم آنکھوں کے ساتھ ان سے آلپٹی۔
تائی جان اور سائرہ چچی ہاتھ روکے ان دونوں پھوپھی، بھتیجی کو ملتے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے ان دونوں کو بھی سلام کیا۔
بھولی سی صورت والی بڑی پیاری سی لڑکی تھی۔ جب پاکستان میں تھے یہ لوگ تو یہ بچی تقریباً" ہر ہفتے ہی آفندی ہاؤس آتی تھی۔ موحد کی ماموں زاد تو تھی ہی۔ دوست بھی ٹھہری۔
سائرہ چچی کی یادداشت کمال کی تھی۔ ذہن میں ہی منٹوں میں جوڑ توڑ کر لیا۔
"کیا بھلا سا نام تھا بھلا اس کا۔" انہوں نے چودہ سال پرانی یادیں کھنگالیں۔

"ہاں۔۔۔ سومی۔۔۔ سومیہ نام تھا اس کا۔ جسے پیار سے سب گڑیا کہتے تھے۔"
وقت کس پل کیا چال چلنے والا ہے اور قسمت کیا کھیل دکھانے والی ہے۔۔۔ یہ کوئی نہیں جان سکتا۔ سومیہ اپنی پھپھو کے گلے میں بانہیں ڈال کے بیٹھی تھی۔
اور اب اسے انتظار تھا۔ اپنے بچپن کے دوست موحد آفندی کا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)